ہے — اور سنو مشاہدی تاقیامت کچھ قائم نہیں رہتا — کاش اس وقت تمہاری جگہ میرا برادر عزیز ہوتا تو وہ کم از کم ایک "وَف" کر کے میری حوصلہ افزائی تو کرتا۔" کالیے نے ایک اور فلاسک نکالی اور ڈھکن کھول کر ڈیک لگانے کو تھا کہ اُس نے پانی کی طرف دیکھا اور پھر اپنے آپ کو سنبھالتا کنارے تک گیا اور پوری فلاسک پانی میں اُنڈیل دی... واپس آیا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا "اگرچہ ڈاکٹر اِسے منہ نہیں لگاتا تھا لیکن یہ اُس کا حصہ تھا۔" اس نے خالی فلاسک گھما کر دریا کے پانیوں کی طرف اچھال دی.. وہ پتہ نہیں کتنی دور گئی، کہاں گری — بس گم ہو گئی۔

سردی برفیلی تھی اور بہت بے آرام کرتی تھی۔

"اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے —"

"چپ —" کالیے نے انگلی لبوں پر جما کر کہا "چُپ میرے ویر — چُپ"

چار چیزیں ہیں — قادر آباد کی جھیلیں گُم شد، دریائے راوی کامران کی بارہ دری سے لگ کر بہتا ہوا گُم شد اور اب سوات کا سلیٹی منظر بھی —

کرسمس کی شب شیشم اور جامن کے درختوں تلے بہت رونق تھی... وہاں مجید امجد کے ساز بج رہے تھے، برف گر رہی تھی... میرا دِل ہے کہ شہر لاہور ہے — ٹہنیوں سے قمقمے جھولتے تھے اور ان کے نیچے ایک کین چیئر پر فاطمہ بیٹھی مسکراتی تھی۔ مردان جھکا جھکا کبھی برگیتا کی طرف جاتا تھا اور کبھی فاطمہ کی جانب رجوع کرتا تھا — میڈم میرے لیے کیا حکم ہے — لیکن اُس کا پاؤں درد سے گھسٹتا تھا اور وہ ران پر ہاتھ رکھے بہت تحمل سے اِسے برداشت کرتا تھا۔

فاطمہ کی سیاہ آنکھوں میں زندگی بہت تھی، وہ چمکتی تھیں اور — دیکھتی تھیں۔

"اور جب تم اور بابو جیب میں مِسل ٹو کی شاخیں ڈالے ساؤتھ اینڈ کی کرسمس اِیو میں گھومتے تھے۔ یاد ہے۔"

مشاہد چپ رہا۔ اُسے یاد تھا لیکن وہ بہت ہی پرانے زمانے تھے... فاطمہ ابھی وہیں تھی، وہ بہت بہت دور نکل آیا تھا لیکن وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اور تم جہاں کہیں بھی کوئی خوبصورت لڑکی دیکھتے تھے جیب میں سے مِسل ٹو کی شاخ نکال کر اس کے سر پر معلق کرتے ہوئے اُسے میری کرسمس کہتے تھے اور اُسے رواج

کے مطابق تمہیں چومنا پڑتا تھا — یاد ہے؟"

ماضی یا شرمندگی ہوتا ہے یا جھوٹی انا —

ماضی کے موسم وہیں رہ جاتے ہیں۔ وہ صحن جن میں دھریک کے درخت ہوتے ہیں وہ ڈھے جاتے ہیں اور تب بھی ہم اُن کی چھاؤں کو یاد کرتے ہیں۔

کرسمس سے اگلے روز مردان واپس چلا گیا تھا۔ شوبھا کی شادی کے بوجھ تلے دبا۔

چوہدری اللہ داد کی اولاد میں سے کون ہے —

شوبھا تو نہیں —

شائد وہ لاپرواہ ٹورسٹ لڑکی جو سات کمروں والی کوٹھی کے پھاٹک پر دستک دے کر "مسٹر موشاہد" کا پوچھ کر چلی گئی تھی۔

درختوں کے جھنڈ میں کین چیئر پر بیٹھی اپنے سامنے چمکتی آنکھوں سے تکتی فاطمہ اس کے آس پاس سلیٹی رنگ کی لینڈ سکیپ پر نقش ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ جو خشک ٹہنیوں کے جنگل تھے اُن میں اس کی سیاہ آنکھیں تھیں۔ جاپانی پھل کے باغ ابھی خزاں کی ٹھنڈک میں آرام کرتے تھے اور ان میں اُس کا سفید بنچ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ دونوں — مشاہد اور کالیا — اپنے آپ میں گُم سُم بیٹھے تھے۔

مشاہد سات کمروں والی کوٹھی کے درختوں کے جھنڈ میں —

اور کالیا... طوطا کان میں... بدھ کے سونے کے پانی والے ہیڈ میں اور... مینگورہ جیل کے وارڈن کی اس اطلاع میں کہ ڈاکٹر کو چھ برس قید ہو گئی ہے۔

وہ بہت دیر تک اس آس میں وے سائڈ ہوٹل کے آلوچے کے درختوں کو دیکھتا رہا کہ صرف اُس کے غور کرنے سے موسم گذریں گے، رُت بدلے گی اور اُن پر شگوفے پھوٹیں گے — لیکن ایسا نہ ہوا... کالیے نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر کہا "شریعت یا شہادت"

آس پاس ایک سکوت ٹھہر گیا — ہوا نہ تھی۔ بہاؤ کی آواز بھی جیسے مدھم ہو گئی اور سردی ایسی یخ کہ ہڈیوں کو برف کرنے لگی۔ وہ دونوں ڈھیٹ بنے بیٹھے رہے، اپنی ناکافی گرم جیکٹوں میں سکڑتے رہے... وہ خود اٹھنا نہیں چاہتے تھے تو انہیں کون آ کر اُٹھائے... کالیے کو تو اپنی ہپ فلاسک کے پانیوں کا آسرا تھا لیکن مشاہد تو خشک تھا۔

ایک ٹھہراؤ تھا۔ ایک چُپ تھی۔

اور پھر رات کی سیاہی میں آسمان سے سفیدی اُترنے لگی۔

آہستہ آہستہ، ڈولتے ہوئے، دھیرے دھیرے برف کے گالے اُن پر اُترنے لگے۔ رِکٹی چیئرز پر دریائے سوات کے کنارے، وے سائڈ ہوٹل سے ذرا دُور بیٹھے ہوئے اُن پر — اُن کے رُخساروں پر، بالوں پر سفید نم آلود گالے اُترنے لگے..... بدن کی گرمی سے وہ پگھلتے اور اُن کا یخ پانی جیکٹ کے کالر کے نیچے جا کر گردن کو برف کرتا..... ان گالوں میں کہیں شائد آلوچے کے شگوفے بھی ہوں لیکن کون جانتا ہے یا پہچان کرپاتا ہے کہ یہ برف کے گالے ہیں یا آلوچے کے شگوفے ہیں — دونوں سفید اور ٹھنڈک لیے ہوئے.....

"وَف —" کالیے کو برادر عزیز کی آواز سنائی دی۔

"بہن یا آگیا ہے۔ وہ میرے پاس آگیا ہے —"

مشاہد اپنے رُخساروں پر سے یخ کرتے برف کے کپاس پھولوں کو پونچھتا رہا اور سر میں اور بالوں میں، اُن کے گرنے اور پھر پانی ہونے کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا خاموش رہا۔ بھلا کالیے کا کُتورا یہاں کیسے آ سکتا تھا، یہ اُس کے خمار کے کُتورات تھے جن کی وَف وہ سنتا تھا۔

"می آوَں۔ می آوَں"

مشاہد ذرا سیدھا ہوا اور اپنی گود میں گرے برف گالوں کو پونچھا اور غور سے سنا... وہ سن رہا تھا..... اُسے واضح طور پر مور کی آواز سنائی دی تھی — ہو سکتا ہے کُتورا بھی آ گیا ہو۔

آلوچے کے جنگلوں پر تاریکی بتدریج کم ہوتی گئی اور اُن پر ایک ہلکی سرخ روشنی سایہ کرنے لگی.....

"بہن یا سورج نکل آیا ہے۔" کالیا بڑبڑایا۔

یہ سرخ روشنی پاپلر کے درختوں کو عبور کر کے وے سائڈ ہوٹل پر پھیلی اور پھر آہستہ آہستہ چرچل پوسٹ کی پہاڑی کو روشن کرتی نیچے دریا تک آئی..... اور انہیں دریائے سوات دکھائی دینے لگا۔ وہ خود بھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شفق کی سرخی میں رنگے اُن کے چہرے پہچانے نہ جاتے تھے... آلوچے کے درختوں کی سرمئی ٹہنیاں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔

"مشاہدی یہ کیا ہے —"

"یہ وہ ہے جس کی ہمیں خبر نہیں —"

لیکن مشاہد کو خبر تھی کہ یہ قلعہ ڈیراور کے بازار میں ٹھہری ہوئی ناقابلِ فہم شام کی روشنی ہے جو اُن کے آس پاس اُتری تھی — صرف اُن کے لیے۔

"ہمیں اسلام آباد بھی پہنچنا ہے کالیے — چلیں۔"

اور اُسی لمحے وہ روشنی بجھ گئی اور سرمئی لینڈ سکیپ پھر اندھیرے میں چلی گئی لیکن برف کے گالے ایک تسلسل سے گرتے رہے۔ جنگلوں کی خالی ٹہنیوں اور کھیتوں کی رنگت بھی سفید ہو رہی تھی اور اس سفیدی میں اگر غور سے دیکھا جاتا تو وہ دونوں بھی تھے دریا کنارے رکھی چیئرز پر براجمان اور اُن کے لباس اور چہرے دکھائی نہ دیتے تھے صرف برف تھی جو اُن کو ڈھانپے چلی جا رہی تھی...

"کیا سچ مچ ہمیں خبر نہیں مشاہدی —"

مشاہد خاموش رہا۔

ولیز جیپ کا انجن اسلام آباد کی یخ آلود ہوا سے اتنا سرد اور مُردہ ہو چکا تھا کہ مشاہد نے آخری بار چابی گھمائی تو مکمل مایوسی میں گھمائی کہ اس بار بھی یہ سٹارٹ نہ ہوئی تو گیٹ کے قریب کھڑے، اُسے خدا حافظ کہنے کے لیے کھڑے کالیے سے گذارش کی جائے گی کہ وہ گیٹ کی اُترائی پر اِسے دھکا لگا دے لیکن حیرت انگیز طور پر وہ متعدد بار پھٹ پھٹا کر سٹارٹ ہو ہی گئی اور اُس کی بے ڈھب آواز سے سیکٹر F-10 کے مکینوں نے خاصی سُبکی محسوس کی کہ کون ہے جو اس پاش سیکٹر میں قیام پذیر ہے اور اس قسم کی مڈل کلاس گاڑی رکھی ہوئی ہے جو سٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی اور جب نام لیتی ہے تو اتنی بے ڈھب آوازیں نکالتی ہے۔ جیپ کے ٹائر متحرک ہوئے تو کالیے نے خدا حافظ کہنے کے لیے ہاتھ ہلایا اور پھر فوراً ہی اُسی ہاتھ سے جیپ کے دروازے کو مضبوطی سے تھام کر سختی سے، حکم دیتے ہوئے بولا "مشاہدی نیچے اُتر آؤ۔"

وہ آج ایک دُھندلی تاریک سویر میں سوات سے اسلام آباد پہنچے تھے جہاں سیکٹر F-10 میں واقع کالیے کی دو جڑواں کوٹھیاں دور سے اپنے ریڈی میڈ یونانی ستونوں اور بے ونڈوز کے سستے پن سے نمایاں نظر آتی تھیں۔ مشاہد اپنی جیپ یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ انہوں نے اکٹھے ناشتہ کیا تھا اور مشاہد فوری طور پر لاہور روانہ ہو جانا چاہتا تھا۔ بمشکل جیپ سٹارٹ ہوئی تو متلون مزاج کالیے نے اسے روک لیا تھا۔

"کیا ہوا ہے کالیے؟"

"بہن یا میں جو کہتا ہوں انجن بند کرو اور نیچے اُتر آؤ۔"

مشاہد چابی واپس گھما کر آہستگی سے اُتر آیا۔

"میرے ساتھ آؤ —" کالیے نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا —

وہاں شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ سیکٹر F-10 کی ان جڑواں کوٹھیوں کے ریڈی میڈ
ناں ستونوں اور بے ونڈوز کے سستے پن کے نیچے موہنجو ڈارو کے بڑے تالاب جتنا ایک
نہ خانہ ہو گا جس کے بھاری دروازے پر قرونِ وسطیٰ کے متعدد تالے لٹک رہے ہوں
گے اور کالیا ہاتھ برابر لمبی قدیم چابیوں سے انہیں ایک ایک کر کے کھولے گا اور پھر دائیں
باب کسی سوئچ کو چھوئے گا تو شیشے کے سینکڑوں شوکیس بجھ بجھ کر روشن ہوتے چلے جائیں
گے اور اِن شوکیسوں میں....

مشاہد سر جھکائے اس قدامت کی ونڈر لینڈ میں اور کالیا اسے ایسے دیکھتا ہوا کہ اُس
کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے... قرآن مجید کے ایسے نایاب نسخے جن کے ری پرنٹس
دنیا کی کسی کتاب میں نہیں... خالص سونے کے پانی سے لکھے ہوئے اوراق، قدرتی رنگوں
کی آمیزش سے ایسی خطاطی، تازہ، شفاف اور ستھری جیسے ابھی ابھی کسی نے قلم ہاتھ سے
رکھا ہو۔ ظروف، شالیں، فرنیچر، ملبوسات، منی ایچر تصاویر.... غزنی سے نکلے ہوئے کوفی
عہد کے نوادرات، مسلم مغل عہد کے کشمیری برتن، لیمپ، فروٹ ڈشز، قلم دان... فن کی
ایک قدیم دنیا —

"یہ سب کیا ہے؟" مشاہد شوکیس پر جھکا ہوا حیرت سے پوچھتا تھا۔

کالیا ہنسا "بقول شمس تبریز — یہ وہ ہے جس کی تمہیں خبر نہیں — بلکہ اب
تک خبر نہیں تھی۔ ابھی جب تم بار بار اپنی جیپ کو سیلف لگاتے تھے اور وہ سٹارٹ ہونے
سے انکاری ہوتی تھی تب میں اپنے آپ سے بحث کرتا تھا، ایک مخمصے میں تھا کہ کیا میں
تمہیں — اپنے اس راز میں شریک کر لوں.. یا نہ کروں... اور جونہی تمہاری جیپ سٹارٹ
ہوئی اسی لمحے میں نے فیصلہ کر لیا... بھن یا زندگی کا کیا پتہ... آج مرے کل دوسرا دن... اور
مُردے کے لیے تو آج مرے تو کل دوسرے کی بجائے تیسرا، پانچواں دن کہاں سال...
ہزاروں سال... مشاہدی ذرا غور کرو اس کولیکشن میں ایک خصوصیت ہے.... اور وہ جانتے
ہو کیا ہے؟"

مشاہد نے شوکیسز میں سجے اور اُن کے علاوہ دیواروں پر ترتیب شدہ نوادرات کو
ایک نظر دیکھا "میں نے اس سے پیشتر کسی یورپی میوزیم میں بھی اتنے شاندار اور اہم
نوادرات نہیں دیکھے —"

"دُر فٹے منہ —" کالیا بظاہر بے مزہ ہوا "

ذرا فوکس کر اپنی آنکھوں کو... جتنے بھی نوادرات ہیں... صراحیاں، مخطوطے، لباس، تلواریں، زیورات سب کے سب... ہمارے ماضی کی یادگاریں ہیں.. صرف مُسلم پیریڈ یار.."

مشاہد کا سر شوکیس پر جھکتا گیا... وہ سر اُٹھاتا تو دیواروں پر آویزاں قدامت کی خوبصورتیوں کو دیکھتا رہا.. عباسی عہد، فاطمی عہد کے ہتھیار، اُندلس کی نقاشی، غزنی کے برتن اور مغل عہد تو جیسے پورے کا پورا اس تہہ خانے میں موجود تھا۔

"مشاہدی میں جو جھک مارتا ہوں گندھارا کی سمگلنگ کی.. اور... دوسرے نوادرات کی تو صرف اِس لیے — صرف اس لیے۔"

"کس لیے؟" مگن اور بہت گہری توجہ میں گم مشاہد سر اُٹھا کر بولا اور پھر موتیوں کو پیس کر اُن سے بنائی ہوئی ایک ایرانی تصویر پر جھک گیا۔

"اپنے مسلم ماضی کے لیے یار... یہاں جو کچھ ہے وہ میں نے جاپان، امریکہ، فرانس اور انگلستان کے نیلام گھروں سے خریدا ہے۔ کالیے کو علم ہو جائے کہ فلاں جگہ کوئی برتن، کوئی شے اسلامی عہد کی مل سکتی ہے، نیلام پر ہے تو کالیے پر لاکھ لعنت اگر وہ وہاں اُڑ کر نہ پہنچے اور اُسے نہ خریدے۔ سب یورپی آرٹ ڈیلروں سے بڑھ کر بولی نہ لگائے.. مشاہدی یار ایمان کا معاملہ ہے... اور ایسے سودوں کے لیے رقم چاہئے اور رقم کا بندوبست تم جانتے ہو کیسے ہوتا ہے —"

"اِس کولیکشن کا بالآخر کیا ہو گا؟"

اس وسیع تہہ خانے کے سنگ مرمر کے فرش پر چلتے ہوئے، آہستہ اور قدم پھونک پھونک کر چلتے ہوئے وہ دونوں ایسے چور لگتے تھے جو کسی آرٹ گیلری میں سے کوئی مونالیزا یا ٹوپ کاپی کے ہیرے چرانے آئے ہیں۔

"مشاہدی یہاں آج تک کوئی نہیں آیا سوائے میرے... تم دوسرے شخص ہو۔ یہ میری کمائی ہے... یہ میری نجات بھی ہے شائد — روزِ قیامت میں نے بھی تو جواب دینے ہیں، اپنی کرتوتوں کے... اپنی اس غیر قانونی زندگی کے — یہ میرا جواب ہو گا — میں نے اُس کا سامان جو بکھرا ہوا تھا، غیر مسلموں کے پاس تھا، جمع کیا ہے.. آئندہ نسلوں کے لیے.... مشاہدی میں بخشا جاؤں گا ناں؟" کالیے نے ایک ہچکی بھری اور مشاہد کو دیکھا جو اسلامی تاریخ کے تسلسل پر جھکا ہوا تھا اور اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں —" بہت دیر بعد اس نے کہا۔

"کیا پتہ نہیں ——"

"یہی کہ تم بخشے جاتے ہو یا نہیں لیکن.. جو کچھ یہاں ہے کہیں بھی نہیں کالیے
اور یہ ایک معجزہ ہے۔"

"پوری دنیا کے آرٹ ڈیلر جانتے ہیں کہ یہ نیم خواندہ پاکستانی ڈیلر جس کے بال
ں کے ماتھے پر پڑے رہتے ہیں جو سونے کی زنجیروں کا شوقین ہے.. یہ جب نیلام گھر میں
خل ہو گا۔ کرسٹیز میں، سدبیز میں —— اور اگر نیلام کی ہتھوڑی کے نیچے کوئی ایسی شے
گی جس کا تعلق مسلمانوں سے ہے —— تو یہ جانے نہیں دے گا —— اور اسی لیے وہ
ت بڑھاتے چلے جاتے ہیں لیکن کالیا اُن سے دو قدم آگے جاتا ہے، دوگنی، سہ گنی قیمت
کر دیتا ہے کیونکہ —— ایمان کا معاملہ ہے یار۔"

"صرف ایمان کا معاملہ نہیں کالیے.... ایمانداری کا معاملہ ہے۔"

"اور مشاہدی ایک اور تہہ خانہ ہے اس کے برابر میں... دوسری کوٹھی کے نیچے...
ں میں گندھارا ہے، ہڑپہ اور مہرگڑھ ہے... جو بھی نایاب اور یونیک مجسمے اور ٹکڑے ہیں
وہاں سجے ہیں... ایسے ہی شوکیسوں میں.... میں نے انہیں جان بوجھ کر سمگل نہیں کیا، جو
ین ہیں وہ میں نے سنبھال رکھے ہیں اپنی تاریخ کے بقا کے لیے.... ہم نے شرمندہ تو
ں ہونا آئندہ نسلوں کے سامنے —— کیوں مشاہدی؟"

"ہاں ——"

اور تب اُس تہہ خانے میں، شوکیسوں کی روشنیوں میں اور اُن دونوں کی نیم خفیہ
جودگی میں ایک آواز آئی جو مشابہت رکھتی تھی جیسے کوئی مور بولا ہو۔

سات کمروں والی کوٹھی کے مستطیل کمرے میں برگیتا کے اندر ایک دراڑ تھی۔

جس کے فرش میں سے بھی گھاس سر اُٹھاتی تھی وہاں سفید بال اور سیاہ آنکھیں
ں....

اور شائد لال حویلی کے ٹوٹے ہوئے رنگین شیشوں میں بھی ایک شبیہ تھی۔

مور کے پاؤں کے نشان کہاں کہاں نہیں تھے...

مشاہد ایک ایسے قرآن پر جھکا جسے بنو امیہ کے عہد میں ایک نابینا خطاط نے لکھا
.. سیاہ آنکھیں جو دیکھ نہیں سکتی تھیں... اور... تعز من تشاء و تذل من تشا،
تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔

مریم کے مجسمے، سنگی گلدستے اور صلیبیں اور ان میں سے بیشتر جھکی ہوئیں جیسے ان کے نیچے اب بھی ایک ننگی پُشت ہے۔ لیکن فرشتوں کی بہتات تھی۔ ہر سائز کے پَر پھڑپھڑاتے ہوئے لیکن زمین سے پیوست — پر طاقتِ پرواز نہ تھی۔

"اِس ہوا میں ایک احساس ہے جو میرے وجود کو چھُو کر گذر جاتا ہے کہ تم ابھی تک اُلجھن میں ہو برگیتا کے بارے میں۔ تمہاری گفتگو میں ربط ٹوٹتا ہے — وہ آ جائے گی۔"

"ہاں —" اس نے مختصراً کہا اور اُسے محسوس ہوا کہ اُس کے نہایت تیز "ہاں" سے شائد ایک آدھ سنگِ مرمری فرشتہ ٹھٹک کر پرواز کر گیا ہے۔ وہ قبر پر جھکا اور نوٹ بُک پر اردو، انگریزی اور فارسی میں تحریر شدہ کتبے کی عبارت نقل کرنے لگا۔

آخری آرام گاہ شہزادی بمبا سدرلینڈ
دخترِ کلاں راجہ دلیپ سنگھ پوتی مہاراجہ رنجیت سنگھ شیرِ پنجاب
ولادت ۲۹ ستمبر در لنڈن
وفات ۱۰ مارچ در لاہور

فرقِ شاہی و بندگی برخاست چوں قضائے نوشتہ آید پیش
گر کسے خاکِ مردہ باز کند نہ شناسد تونگر از درویش

"کیا تم یہاں ہو؟"

"ہاں —" اس نے پھر تیزی سے کہا لیکن کتبے سے نظریں ہٹائے بغیر۔

"تو پھر چُپ کیوں ہو؟"

"شہرِ خموشاں میں پوچھا جا رہا ہے کہ چُپ کیوں ہو — اس لیے کہ چار مرغابیوں کا

وشی سے کوئی تعلق نہیں —"

"یقیناً —" فاطمہ بے اختیار مسکرائی... بابو اور مشاہد بے وجہ دوست نہیں تھے... وہ بھی یکدم کوئی ایسی بات کہہ جاتا تھا جس کا ربط صرف اس کے اپنے ذہن میں ہوتا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور فاطمہ کی طرف دیکھا۔ گلبرگ کے کرسچن گریویارڈ کی پہلی دھوپ میں اس کے سفید باب کٹ بال جیسے راکھ سے سفیدی کی طرف آ رہے تھے۔

"میں نے بڑی مشکل سے اور تحقیق سے اس شہزادی کو تلاش کیا تھا... برگیتا ہیشہ کوٹھی نمبر A-101 کی رانی کو مرغابیاں بھیجتی تھی یہ جانے بغیر کہ وہاں کوئی رانی ہے بھی یا نہیں — سبھی کہتے تھے کہ وہاں خان بہادر محمود شاہ کی آبائی کوٹھی میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی رہتی ہے... لیکن وہ تو کب کی مر چکی تھی... ذرا دیکھو... میرا مطلب ہے میں پڑھتا ہوں.. وفات، 10 مارچ 1957 —"

"تو کیا آج پرنسس کی ڈیتھ اینورسری ہے جو ہم خاص طور پر صبح سویرے یہاں آئے ہیں؟"

"نہیں —" مشاہد ہنسا... اور ایسے کہ اگر وہ سات کمروں والی کوٹھی میں ہنستا تو ہر کمرے میں گونج جاتی "میں نے کالیے سے تذکرہ کیا تھا اور وہ میری جان کو آ گیا کہ لاہور پہنچتے ہی قبر تلاش کرو اور شہزادی کے کتبے کی عبارت کاپی کر کے مجھے روانہ کرو۔"

"وہ کیا کرے گا؟"

"کسی پرانے پتھر پر یہی عبارت لکھوائے گا اور اُسے اورجنل کتبے کے طور پر بیچ... کینیڈا میں مقیم کسی سکھ کے ہاتھوں فروخت کر دے گا — فاطمہ، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ آ جائے گی؟"

"ہاں —" یہ "ہاں" بھی اتنی تیز اور یکدم تھی کہ اگر اس سے پیشتر کسی سنگی پتے نے پرواز نہیں کی تھی تو اب ضرور کر گیا تھا۔

"عجیب ناقابل فہم حرکت کی ہے اس نے —" مشاہد نے نوٹ بک قبر کے تعویز پر رکھ دی جس کی ایک دراڑ میں سے ایک چڑیا بار بار سر نکال کر دیکھتی تھی "فار ہیونز سیک یہ وہ کامونکی ایسے قصبے میں.. عیسائیوں کے گیٹو میں اپنے باپ کی کچی غلاظت بھری کوٹھڑی میں اپنے سوکالڈ درجن بھر بہن بھائیوں کے ساتھ زندگی کیسے گذار سکتی ہے۔"

"اُس نے تم سے کیا کہا تھا؟"

مشاہد نے جواب میں خاموشی اختیار کی اور پھر کتبے پر جھک کر اس کی عبارت نوٹ بک پر درج کرنے لگا...

Here lies in Eternal Peace
The Princess Bamba Sutherland
Eldest Daughter of Maharaja Dilip Singh
And Grand Daughter of Maharaja Ranjit Sing of Lahore
Born on 29th Sep 1869 in Londen
Died on 10 March 1957 at Lahore

اے واقف اسرار ضمیر ہر کس — در حالت عجز و دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ، عذر پذیر — اے توبہ دہ و عجز دستگیر ہمہ کس

"تم پھر خاموش ہو گئے ہو؟"

"ہاں —" اس نے نوٹ بک پر درج شدہ عبارت کو ایک نظر دیکھا اور اُسے جیب میں رکھ لیا۔ "شائد اس کرسچن گریو یارڈ میں یہ واحد قبر ہے جس پر فارسی کی رباعیاں درج ہیں.. کورٹ لینگوئج آف رنجیت سنگھ یونو — چلیں؟"

"چلنے کا — یا مجھے چلانے کا اختیار تو تمہارے پاس ہے —" فاطمہ نے ہاتھ آگے کر دیا۔

وہاں سویر کی پہلی دھوپ میں اس کا بڑھا ہوا ہاتھ ایسے ساکت تھا جیسے وہ کسی قبر پر آویزاں مریم کے مجسمے کا ایک حصہ ہو۔ ظفر علی روڈ کے گندے نالے کی بو ابھی گرمی سے ناگوار نہیں ہوئی تھی اور جیل روڈ پر رواں ٹریفک نے ابھی آسیب کی کیفیت اختیار نہیں کی تھی... وہ فوری طور پر اُس کا ہاتھ تھامنے سے ٹھٹکا — اس کے اندر ایک جھجک آ گئی تھی جو کسی تاریک گوشے میں شائد خفیف سے احساسِ جرم کی پروردہ تھی۔

"تم کہیں چلے تو نہیں گئے؟" فاطمہ نے پوچھا یہ جانتے ہوئے کہ وہ وہاں موجود ہے۔

"نہیں —" اس نے فوراً کہا اور فاطمہ کا ہاتھ ایسے تھاما جیسے وہ اُس کا سہارا چاہتا ہو۔

"اُس نے تم سے کیا کہا تھا؟" فاطمہ نے پھر دوہرایا۔

"اُس نے آج تک مجھ سے پوچھے بغیر اپنے کمرے سے باہر بھی قدم نہیں رکھا تھا — یہ نہیں کہ میں ایک قاہر اور جابر قسم کا خاوند ہوں۔ نہیں — یہ ہمارا ارینج منٹ ہے۔ ہم ایک دوسرے کو آگاہ رکھتے ہیں لیکن کل صبح میں بیدار ہوا ہوں اور وہ — نہیں ہے۔ بی جی کامونکی گئی ہیں صاحب جی — مالی شریف مجھے بتا رہا ہے —"

"اُس نے تم سے کیا کہا تھا — جب تم اسے واپس لانے کے لیے کامونکی گئے ہو.. ب... اس نے کیا کہا تھا —"

"وہ کسی دراڑ کی بات کرتی تھی..."

یقیناً کہیں ایک برہنہ گول مٹول سنگ مرمری فرشتے کے پَر پھڑپھڑائے۔

"وہ جانتی ہے کہ میں وہ دراڑ نہیں ہوں —"

"شائد تم ہو —"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور سر جھٹکا... اُس کے تمام بال راکھ سے سفیدی میں آ گئے تھے "نہیں.. میں نہیں ہوں... اور اسی لیے آج شام میں جا رہی ہوں... تم کم از کم میری نشست تو کنفرم کروا دو۔"

"کویت کے لیے؟"

"نہیں انگلینڈ کے لیے۔ کویت شائد اب مجھے قبول نہیں کرے گا — میں اپنے ابا کے خیمے میں جانے کے قابل نہیں ہوں... انگلینڈ میں کوئی کسی سے اُس کا حسب نسب، کردار اور مذہب نہیں پوچھتا — میں وہیں جاؤں گی..."

"کس کے پاس؟"

"نو باڈی — وہاں میرا کون ہے... دیئر از نو باڈی —"

"تو پھر؟"

"میری ایک سپنسٹر دوست ایک ہوم میں بہت اچھے دن گذار رہی ہے — میں کچھ جمع بھی کر رکھا ہے اور کچھ سوشل سیکیورٹی بھی مل جائے گی برطانوی شہریت کی وجہ سے... میں اپنے دن گذار لوں گی مشیل —" اُس نے پھر اپنا ہاتھ بڑھایا "میں کبھی اس دربار میں برگیتا کے حصے کی خواہش نہیں کروں گی۔"

"وہ زیادہ دیر تک اُس غلاظت کے ڈھیر میں نہیں رہ سکتی۔" وہ اپنے آپ میں ہنسا

"اور اس نے جواز پتہ ہے کیا دیا تھا؟ —"

"دراڑ؟"

"اس کے علاوہ... وہ کہتی تھی کہ حضرت موسیٰ بھی تو شاہی محل چھوڑ کر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے تھے.. گندگی اور کیچڑ میں واپس گئے تھے۔"

"وہ آ جائے گی۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں" اور فاطمہ کے ہاتھ میں محبت کا وہ رچاؤ تھا جو اُس کی لاعلمی میں — شائد اُس کی لاعلمی میں دراڑ بن چکا تھا۔

باہر، گلبرگ کے گورا قبرستان کے باہر جیل روڈ پر ٹریفک کا گھنا اژدہا پھنکار رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اندر... گورا قبرستان کے اندر، فرقِ شاہی و بندگی برخاست۔

گندے نالے کی بُو ظفر علی روڈ پر مسلسل معلق تھی اور اُس میں سے گذرنے والے لوگ کم سے کم سانس لیتے ہوئے اُس میں سے گذرتے تھے۔ ولیز جیپ مال روڈ پر آئی تو مشاہد نے ایک گہرا سانس لیا اور سٹیئرنگ بائیں جانب گھما دیا۔

"میری سینس آف ڈائرکشن بتاتی ہے کہ ہم واپس ماڈل ٹاؤن کی جانب سفر نہیں کر رہے —"

"نہیں —" مشاہد نے کہا۔ اس کے سامنے ہرے کی ایک سرنگ تھی جو ٹریفک کو نگلے چلی جا رہی تھی "سات کمروں والی کوٹھی میں صرف مالی شریف ہے۔"

"اور ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"شہر کی طرف... شہر کے اندر... تمہیں اعتراض تو نہیں —؟"

"نہیں —" فاطمہ کے سفید دانت درختوں کی چھاؤں میں نمایاں ہوئے "شہر کے اندر ہم جب بھی گئے ہیں تم میرا ہاتھ سختی سے تھام کر چلے ہو.. نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں..."

ریگل چوک تک وہ خاموش رہے — مشاہد نے بائیں جانب لکشمی مینشن کی طرف دیکھا اور اُس کے ماضی نے اتنا گہرا سانس لیا کہ اسے فاطمہ نے بھی محسوس کر لیا۔

"میں سن سکتی ہوں کہ آج ٹریفک معمول سے کم ہے۔ اور دوکانوں کے شٹرز گرنے کی کرخت آوازیں بھی کبھی سنائی دیتی ہیں — آج کوئی سرکاری چھٹی تو نہیں؟"

"نہیں —"

بڑے ڈاک خانے کے چوک تک وہ پھر چپ گئے۔

"ٹریفک کیوں کم ہے مشیل؟" فاطمہ نے پھر پوچھا۔

"ہڑتال ہے —" مشاہد بولا... پھر اس نے بہت محتاط ہو کر لفظوں کا چناؤ کیا اور فاطمہ کی جانب دیکھا جو دیکھ تو سامنے رہی تھی لیکن اس کے کان جواب کی آس میں منتظر تھے... اور اس نے بہت محتاط لفظوں میں اسے بتایا کہ بابری مسجد مسمار کر دی گئی ہے اور ہر جانب ایک پُرجوش اور شدید ردعمل ہے... فاطمہ سامنے دیکھتی رہی لیکن اُس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑتا نچڑتا گیا... اُس کا ہاتھ مشاہد کے اس ہاتھ پر آیا جو سٹیئرنگ پر تھا اور اس کے نزدیک تھا تو وہ بے اختیاری میں لرزتا تھا اور اُس میں حدت تھی۔ اس کے لب کھلتے تھے، دانتوں پر سے چپکتے ہوئے ہٹتے تھے اور پھر بند ہو جاتے تھے۔

"آئی ایم سوری —" مشاہد نے جیپ کی رفتار آہستہ کر دی "تم ٹھیک تو ہو فاطمہ؟"

اس کے ہونٹ کپکپاتے رہے، گھونسلے سے گرے بوٹ کی طرح.. پھر وہ بولی تو کسی اور آواز میں بولی جو کہیں فاصلے سے آتی تھی اور جس میں کوئی جذبہ کوئی جان نہ تھی — "میں نے انہیں آشیرواد دی تھی"

"ہو سکتا ہے وہ اس اندھے اور متعصب ہجوم میں شامل نہ ہوں —"

"وہ سب سے آگے ہوں گے.. اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر متعصب ثابت کرنے کے لیے... میرے بیٹے مشیل... میرے بیٹے —"

"تمہاری اُلجھن ماڈل ٹاؤن جانے سے کم ہو سکتی ہے تو ہم واپس چلتے ہیں۔"

"نہیں... تم چلو... جہاں مجھے لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ —" اُسی لمحے کہیں ایک اور شر گرا تو فاطمہ کے بدن میں ایک گرم سیسہ اُترا اور وہ بے طرح کانپی "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

لال حویلی کے نیچے جو گھنا اور پُررونق بازار تھا وہ بھی بند پڑا تھا۔

فاطمہ بہت مضبوطی سے مشاہد کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی اور اِدھر اُدھر ایک گمشدہ بچے کی طرح دیکھتی تھی... کیا دیکھتی تھی۔ یہ صرف اسے علم تھا... حویلی کی بالائی منزل کو جانے والی تنگ اور پُرپیچ سیڑھیوں پر وہ بار بار رُکتی اور سانس درست کرتی۔

"کیا یہاں بہت اندھیرا ہے؟" اُس نے یکلخت پوچھا۔

"ہاں... ایک چھوٹا سا روزن ہے لیکن.. اندھیرا ہے۔"

ابھی اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ فاطمہ کا منتظر بدن اس کے ساتھ لپٹ گیا اور وہ سینے میں اُٹھتی ہوئی سسکیوں کو دبانے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہونے لگی... اُس کا پورا وجود خزاں رسیدہ پتہ تھا جو لرز رہا تھا "ہم سب بے اختیار ہیں فاطمہ —" مشاہد نے اس کے سفید بالوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اُن پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی "گلیشئرز میں سے نکلنے والے تیز نالوں کے پرشور پانیوں میں کہیں ایک تنکا ہیں، ہمیں ناحق بدنام کیا گیا ہے... ہم بے اختیار ہیں۔"

"وہ میرے سامنے —" اس نے الگ ہو کر اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا جیسے اُسے دیکھتی ہو "وہ میرے سامنے تلک لگا کر کھڑے تھے... اور..."

روزن میں سے داخل ہوتی دھوپ میں مٹی کے ذرے کچھ اوپر اٹھتے تھے آہستگی اور سُستی سے اور کچھ نیچے بیٹھتے جا رہے تھے.. اپنے آپ میں مگن... ان کا کیا اختیار تھا۔

اوپر سے قدموں کی چاپ نیچے آنے لگی۔

"اوئے کون ہے؟"

نیم اندھیرے میں انہیں کچھ دکھائی نہ دیا "میں مشاہد ہوں، آپ کون ہیں؟"

قدموں کی چاپ اُن کے قریب آ گئی، پھر اندھیرے میں دانت نمایاں ہوئے اور چمڑے کی بو میں رچی ایک آواز آئی "میں کاریگر ہوں جی ادھر فیکٹری میں... گرگابیاں بناتا ہوں... مجھے ہڑتال کا تو پتہ تھا پر ہمارا اُستاد جی بڑا نایاب ہے... میں نے سوچا خود دیکھ کر آتا ہوں کہ سچ مچ چھٹی ہے کہ نہیں — اور ادھر آیا ہوں تو فیکٹری میں بندہ نہ بندے کی ذات... آپ ادھر کیا کرنے آئے ہیں صاحب جی؟"

روزن کی مختصر روشنی تھوڑی دیر میں ناکافی سے کافی ہوئی تو شکلیں کچھ کچھ ظاہر ہونے لگیں... وہ ایک کچی عمر کا نوجوان تھا جو بہت دنوں سے نہایا نہیں تھا اور اس کا چہرہ ایک روز کی مشقت سے آزادی کے رچاؤ میں دمکتا تھا۔ اُس چہرے پر سیڑھیوں میں سے اُترتے ہوئے یکدم نیم تاریکی میں دو انسانوں کو غیر متوقع قربت میں پا کر جو شکوک ظاہر ہوئے تھے وہ ان انسانوں کے عمدہ لباس اور تہذیب یافتہ شکلوں کو دیکھ کر شرمندگی میں بدل گئے کہ یہ تو ہم جیسے ہوتے ہیں جو ایسے ہوتے ہیں۔ اِن جیسے ایسے کیسے ہو سکتے ہیں۔

"ہم ادھر نُوراں سے ملنے آئے ہیں —" مشاہد نے اپنے آپ کو فاطمہ سے

ایسے لاپروائی سے الگ کیا جیسے یہ ایک بہت معمولی بات ہو۔

"مائی نُوراں سے؟"

"ہاں —"

"مائی نُوراں تو جی اللہ کے فضل سے فوت ہو چکی ہے — تین مہینے ہو گئے ہیں۔"

ٹوٹے ہوئے رنگین شیشوں سے پرے جو آسمان دکھائی دیتا تھا اس میں رنگ برنگے گُڈے اور پتنگیں نیلاہٹ میں بل کھاتی تیکھی کشتیوں کی طرح تیرتے تھے... اس کے طرز تخاطب میں ایک اپنائیت تھی جو جنسی قربت کے بعد ظاہر ہوتی ہے — اور یہ ممکن نہ تھا... عمروں کا تفاوت.. بل کھاتی تیکھی کشتیاں اور سکھ سرداروں کی شوخ رنگ پگڑیاں... ٹوٹے ہوئے رنگین شیشوں سے پرے..

"تین مہینے؟"

"ہاں جی — اوپر حویلی کی چھت پر جو کمرہ ہے جس میں رنگ برنگے شیشے تھے وہاں سارا اسحاق سریش والا گیا تو مائی جی وہاں موئی پڑی تھیں.. اور جناب عالی گونے کناری والا گھگھرا پہنا ہوا تھا مائی جی نے..." اُس نے اب انہیں بیزاری سے دیکھا کیونکہ وہ نیچے جانا چاہتا تھا یہاں اندھیرے میں کھڑے ہو کر مائی جی کے بارے میں مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا — وہ دونوں اسے راستہ دینے کے لیے سُرخ بُرادہ ہوتی چھوٹی اینٹوں کی گولائی کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور وہ اپنے بدبُودار بدن کو اُن سے بچاتا نیچے اُتر گیا۔

مشاہد کے ہاتھ بھی گھونسلے سے گرے بوٹ کی طرح گرم اور پھڑپھڑاتے ہوئے لرزتے تھے..

"ہمیں ناحق بدنام کیا گیا ہے" فاطمہ کی گرفت میں محبّت کا وہی رچاؤ تھا جو دراڑ بنتا ہے "ہم پر تہمت لگائی گئی ہے —"

"ہاں —" مشاہد بمشکل بولا اور فاطمہ کے بدن سے لگ کر جو اس کا منتظر تھا بہت دیر تک اس کی محبّت کے رچاؤ میں، سکون سے اور خاموشی سے نُوراں کی موت کے شدید صدمے کو سہنے کی کوشش میں اپنے آپ کو نارمل زندگی کی جانب واپس لاتا رہا۔

"تمہیں اس سے بھی لگاؤ تھا؟"

وہ اس سے الگ ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا جن کے بارے میں وہ اب بھی

شک میں مبتلا تھا... وہ دیکھتی تھیں اور اُن میں ایک سیال زندگی تھی جو بہتی ہوئی اس کے رگ و پے میں سماتی تھی "محبت کی بھی عجیب متھ ہے — لگاؤ کی — آشنائی کی — عجیب دقیانوسی متھ ہے کہ یہ صرف ایک شخص سے ہو سکتی ہے — صرف ایک شخص اور ایک شکل کے لیے — یہ تو ایک بیمار خیال ہے فاطمہ — انسان کے وجود اور احساسات کے جگ سا پزل کے ہر ٹکڑے کے لیے بالکل ویسا ہی ٹکڑا درکار ہوتا ہے جو اُس کی تسلی کر سکے... اس کے ساتھ جڑ سکے — اس کا لگاؤ جب تک بہت سارے ٹکڑوں کے ساتھ نہیں ہو گا وہ مکمل نہیں ہو سکتا — وہ ادھورا رہے گا... جو برگیتا ہے... جو سمیعہ تھی... جو کرسٹین تھی... اور جو تم ہو... وہ نُوراں نہیں تھی... اس لیے... جو وہ تھی وہ تم نہیں ہو۔"

اس نے اپنے باب کٹ کو بے چارگی میں جھٹکا اور وہ اپنے مرکز سے ہٹ کر پھر واپس آ گئے "میں تم سے اتفاق کرتی ہوں مشیل — جو تم ہو وہ بابو نہیں ہو سکتا تھا۔"

وہ نیچے آئے تو تنگ اور خالی بازاروں میں پر تشدد آنکھوں والے اور بہت دکھی لوگ چلتے تھے اور باتیں کرتے تھے... ہم کوئی بے غیرت ہیں جو اُن کے مندروں کی حفاظت کرتے پھریں.. اور وہ بابری مسجد کو شہید کر دیں... کدالیں... بیلچے... جین مندر میں بچوں کا سکول تھا.. لیکن مندر تھا... گرودوارے اور مندر ان میں کوئی فرق نہیں.. اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔

"جیپ تو بھاٹی دروازے کے باہر پارک کی ہوئی ہے.. لیکن.. یہ بہتر ہو گا کہ ہم ادھر شاہ عالمی کی طرف سے نکلیں... میرے پرانے سکول کی طرف سے —"

"مجھے اپنا ہاتھ دو —" فاطمہ نے جیسے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

وہ دونوں اپنی بابری مسجد اور اپنی نُوراں میں گم تھے اور کچھ بھی نہیں سُن رہے تھے.... وہ قدیم اینٹوں اور موت کے بوجھ تلے تھے اور گم تھے۔

رنگ محل مشن ہائی سکول کی دیدہ زیب اور خوش نما فساڈ والی عمارت زوال میں تھی.... خوانچہ فروش، برتن بیچنے والے، حلیم فروش، پھل فروٹ، نالے پراندے، سوڈا واٹر — یہ سب اس کے فساڈ پر پردہ ڈال رہے تھے...

شاہ عالمی کا دو رویہ بازار اور بدنما عمارتیں صرف آج خاموش اور ویران تھیں ورنہ یہاں روزانہ ٹریفک اور کاروبار کی قیامت برپا رہتی تھی۔

شائد بائیں جانب وہ گلی تھی... ایک فلمی سیٹ کی طرح.. جس میں بُندد رام کی چُھیا

ہوا میں سرسراتی تھی — شائد...

"میں کہیں نہیں جا رہی تم میرا ہاتھ اتنی سختی سے نہ تھامو.. مجھے اذیت ہو رہی ہے۔" فاطمہ نے کہا۔

"سوری —"

جہاں بندو رام سبزی کی چھری اپنی پُشت پر سجائے بے جان جھکا ہوا تھا وہیں نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز — ایاز کی قبر تھی۔

"تمہارے بہت ہی بے لگام خوابوں میں بھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ اب جو تم اپنے دونوں جانب بلند اور بدشکل عمارتیں دیکھ رہی ہو — یا میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ عمارتیں یہاں ہیں تو آج سے... چلو ہم وقت کے پیمانوں میں نہیں اُترتے.. بہت زمانہ پہلے یہاں ایک سوختر آباد تھا... سب کچھ جل چکا تھا اور میں اس کے ٹیلوں پر راکھ کرید تا تھا... جستجو کیا تھی، نہیں جانتا تھا... رنگ محل سکول سے واپس آتا تھا تو راکھ کرید تا تھا، تمہارے بہت ہی بے لگام خوابوں میں بھی یہ ممکن نہیں ہو سکتا — کیوں فاطمہ؟"

"میرا اور تمہارا جغرافیہ الگ ہے مشیل — اس لیے۔"

اس کے جذباتی دھارے تھم گئے اور اس نے بے حد شرمندگی محسوس کی.. فاطمہ کو کیا کہ یہاں وقت کے پیمانوں میں کیا تھا — اور اس وقت بھی اس کی جین کی ہپ پاکٹ میں اُس کنگن کی گولائی اُبھرتی تھی جو اسے راکھ کریدنے سے — جستجو کیا ہے، میں ملا تھا۔

"اس کے باوجود — تم کہو — میں سن رہی ہوں.. صرف یہ کہ ہوا میں مٹی کے ذرے ہیں جیسے کچھ مسمار ہوا ہو —"

مشاہد نے ایک گہرا سانس بھرا "کچھ بھی نہیں — لاہور میں بھی آلودگی بڑھ گئی ہے.. اور کچھ بھی نہیں.. میں بھاگ رہا تھا فاطمہ اور میرا بستہ میری پُشت پر برستا تھا اور مجھے اذیت دیتا تھا، میں بھاگتا تھا اور ہر سو ویرانی تھی اور مجھے کوئی لینے نہیں آیا تھا۔"

"ہوں —" فاطمہ نے اس کا ہاتھ دبا کر صرف اتنا کہا۔

مشاہد نے جان لیا کہ ان دونوں کا جغرافیہ واقعی مختلف ہے — اب وہ گھر جانا چاہتا تھا.. کیا پتہ برگیتا وہاں ہو، وہ واپس آ چکی ہو —

دونوں جانب سوختہ نیلے تھے، کھنڈر تھے، اُن میں جابجا تجوریوں کی آہنی کشتیاں

تھیں جو مدوجزر کی وجہ سے کھنڈروں کی ریت میں پھنس چکی تھیں اور رواں نہیں ہو سکتی تھیں۔

"میں راکھ کرید تا تھا اور سب کچھ جل چکا تھا —" مشاہد نے اپنے آپ سے کہا کہ فاطمہ کا جغرافیہ اس سے مختلف تھا لیکن اس کے باوجود وہ ہمدردی سے سنتی تھی اور وہ سنانا چاہتا تھا "اس پورے علاقے میں صرف تین عمارتیں آگ سے بچی تھیں، بُندو رام کی گلی کا چہرہ، دوسری لال مسجد تھی جس کی دیواروں کو چھوتے ہی شعلے بجھ گئے تھے اور تیسری شاہ عالمی چوک کا سنہری کلس والا پُرشکوہ مندر — جس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔"

ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی لیکن ہجوم زیادہ ہونے لگا۔

لوگ آ جا رہے تھے اور ان کے لہجوں میں اور چال میں ہیجان تھا۔

مشاہد اب ذرا آگے ہو کر چلتا تھا تاکہ سامنے سے آنے والے فاطمہ سے کھے کر نہ گذریں... اُس کی ہتھیلی میں پسینے کی نمی تھی۔

ہجوم گھنا اور نیت میں پُرتشدد ہوتا جا رہا تھا۔ مشاہد نے اپنا راستہ بدل کر شاہ عالمی کی طرف آنے کی غلطی کی تھی۔ اُن کے عقب میں بھی بہت لوگ اپنے آپ کو دھکیلتے چلے آتے تھے اور وہ واپس بھی نہیں جا سکتے تھے۔

"مشیل —" فاطمہ اس کے کندھے کے ساتھ لگتے ہوئے بولی اور اُس کی آواز میں خوف کی تھراہٹ تھی "ہم خطرے میں تو نہیں؟"

"نہیں —"

"لیکن میں محسوس کر رہی ہوں مشیل — آس پاس جو شور ہے اُس میں.. لوگوں کی آوازوں میں اور اُن کے لباسوں کی سرسراہٹ میں کچھ علامتیں ہیں... جو مجھے بے چین کرتی ہیں..."

"یہ میرا اپنا ملک ہے فاطمہ... میں اس کے ہجوم کی نفسیات سے شناسا ہوں... کم از کم ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"یہ کیا چاہتے ہیں؟"

"پتہ نہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا تو یہ یہاں نہ ہوتے —"

لوگوں کے سروں کے اوپر سے مشاہد کو شاہ عالمی چوک میں کچے برتنوں اور قبروں کے لیے سنگ مرمر کی جالیاں اور کتبے بنانے والوں کی دوکانوں کے اوپر ایک غبار دکھائی

یا... ایک رُکا ہوا گرد کا طوفان... ایک گرد آلود خاموشی کے ساتھ چوک پر معلق... مشاہد کا
ھا پسینے سے بھیگتا گیا — چوک کو عبور کرنا ممکن نہ ہو گا... وہاں کچھ ہو رہا تھا... تیسری دنیا
ایک معمول، آپ ایک نارمل زندگی بسر کرتے ہوئے گھر سے نکلتے ہیں اور کسی ایک
ک، کسی شاہراہ پر آناً فاناً ویرانی آ جاتی ہے... یا ہجوم بڑھ جاتا ہے اور ٹائروں کی جلنے کی بُو
ھائیں ہے اور آپ جان جاتے ہیں کہ وہاں کچھ ہو رہا ہے اور آپ اپنی جان کی فکر کرتے
ں اور متبادل راستے تلاش کرنے لگتے ہیں لیکن یہاں سے رنگ محل لوٹ جانا بھی ممکن نہ
تھا۔

اُنہیں بہت کم اپنے قدموں پر اختیار تھا... ہجوم اُنہیں اپنا ایک حصہ بنانے پر تلا
تھا۔ اُن کے قدم اس ہجوم کی اجتماعی مرضی کے تابع ہو چکے تھے اور اسی لیے مشاہد بار
فاطمہ کے پسینے سے بھیگے ہوئے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط تر کرنے کی سعی کرتا تھا — وہ
ہد کی پُشت پر چپکی چلی آ رہی تھی کہ اُس کے پیچھے جو لوگ تھے وہ اس کے وجود اور
ف سے بے خبر اُمڈے چلے آ رہے تھے — وہ جانتی تھی کہ مشاہد کے پاس اس
ورتِ حال کے لیے تسلی کے لیے بہت کم لفظ ہوں گے اسی لیے وہ اپنے بے پناہ خوف کا
ہار کرنے سے اپنے آپ کو روک رہی تھی۔

اس نے بے چینی میں اپنے لبوں کو بھینچا تو اُن پر جمتی ہوئی گرد کی ایک ہلکی تہہ کا
قہ تالُو کے نیچے تک گیا۔

ہجوم کی بے مہار بھنبھناہٹ اور شور سے الگ فاطمہ کے کانوں میں ایک مشینی
گڑگڑاہٹ اُتری... اس نے اپنی سمعی توجہ اس ایک نکتے پر مرکوز کی... جیسے صحرا کی رات
مورچے کے اندر بیٹھے ہوئے ٹینکوں کی حرکت سنائی دے... خفیف بھی اور مہیب
... ایسے ایک مشینی گڑگڑاہٹ.. ہجوم کی اجتماعی مرضی کے تابع وہ چوک کے قریب ہو
... نعرے جو پہلے شور کا ایک حصہ تھے اب اُن کے آس پاس تھے اور اسی لیے واضح ہو
ے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے مشیل؟"

لاہور کارپوریشن کے دو بُل ڈوزر شاہ عالمی چوک کے سُنہری مندر کی بنیاد میں اپنے
ی بلیڈ گھسائے اُسے مسمار کر رہے تھے... درجنوں متاثرین کدالوں اور بیلچوں کی مدد سے
ناقابل گرفت جوش میں غرق مندر کی دیواروں کو ڈھانے کی کوشش کر رہے تھے...